ایک قرآنی آیت اور اسکا مفہوم

مولانا سعید الرحمن علوی

قرآن عزیز کی سب سے بڑی سورۃ "البقرۃ" کی آیت ۸۱ کا متن ہے

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

اس آیت کا ترجمہ کسی قدر تشریح کے ساتھ (گویا مفہوم) مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہ کے الفاظ میں یہ ہے "نہیں، (آخرت کی نجات کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے، کہ ہر حال میں اس کے لیے ہو خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کوئی انسان ہو اور کسی گروہ کا ہو لیکن) جس کسی نے بھی اپنے کاموں سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۵ ساہتیہ ایڈیشن دہلی ۱۹۸۰)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے امسال انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام "محاضرات قرآنی" کے لیے "قرآن کا تصور فرائض دینی" کا عنوان اختیار کیا اور اس سلسلے میں آٹھ صفحات پر مشتمل ایک دعوت نامہ ?ک کے یکصد کے قریب ذمہ دار علماء کو بھیجا جس میں ص ۳ پر یہ جملے تھے۔

اس کے برعکس اگر جان بوجھ کر کوئی ایک "معصیت" بھی مستقل طور پر اختیار کر لی گئی اور اس پر توبہ کی بروقت توفیق نہ ملی تو اس سے نہ صرف تمام نیکیوں کے ضائع چلے جانے بلکہ جہنم میں داخلے، حتیٰ کہ "خلود فی النار" (جہنم میں ہمیشہ رہنا) تک کا اندیشہ ہے۔ (البقرہ - ۸۱) الا یہ کہ حقیقی اور واقعی اضطرار ہو۔

ان جملوں سے بجا طور پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید موصوف مشہور بدعتی اور گمراہ فرق "معتزلہ اور ?ارج" کی طرح گنہگار اہلِ ایمان کے لیے "خلود فی النار" کے امکان کے قائل ہیں، چنانچہ بعض حضرات ?نے انہیں اس طرف توجہ دلائی۔ جس پر موصوف نے ایک وضاحتی نوٹ لکھا — یاد رہے کہ یہ نوٹ ?امہ حکمت قرآن" کی اشاعت مجریہ مئی ۱۹۸۵ میں چھپا۔ "سالانہ محاضرات قرآنی" کے عنوان سے ?صاحب نے بقلم خود امسال کے محاضرات کی مختصر اور جامع رپورٹ لکھی، جو محترم قارئین کی نظروں سے

گذر چکی ہوگی، اسی رپورٹ میں ص ۱۲ کی آخری سطر سے ص ۱۴ کی سطر ۱۳ تک یہ نوٹ ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ نوٹ پورے کا پورا یہاں دوبارہ آپ کی نظروں سے گذر جائے تاکہ آپ کو بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

"دوسری اہم غلطی یہ ہوئی کہ راقم نے ایک مسلمان کے تین اساسی دینی فرائض میں سے اوّلین یعنی "یہ کہ وہ خود صحیح معنی میں اللہ کا بندہ بنے!" کی وضاحت کے ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت ۸۱ کا جو حوالہ دیا اس سے بجا طور پر یہ مغالطہ ہوا کہ شاید میں بھی معتزلہ کی طرح عصاۃ اہل ایمان کے لئے "خلود فی النار" کے امکان کا قائل ہوں۔ میں اس سے بھی اظہار برأت کرتا ہوں۔ میرے نزدیک صحیح بات وہی ہے جو احادیث صحیحہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے یعنی جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اگر اس کے گناہوں کا وزن نیکیوں سے بڑھ کر ہوا تو وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا بھگت کر بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس مقام پر اس آیۂ مبارکہ کا حوالہ بے محل اور غلط ہے ——— رہا یہ سوال کہ اس آیت کا صحیح مدلول میرے نزدیک کیا ہے تو میرے نزدیک یہ آیت اپنے نفسِ مضمون کے اعتبار سے ان احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تنبیہہ اور ترہیب کی غرض سے بعض اعمال پر نفیِ ایمان کی وعید سنائی گئی ہے۔ ان آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کے ضمن میں نہ یہ روش درست ہے کہ ان کے ظاہری الفاظ سے بالکل قانونی اور منطقی معانی نکالے جائیں جس سے شدید مایوسی پیدا ہو جائے، نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی ایسی توجیہیں کی جائیں کہ ان کی تاثیر ہی ختم ہو کر رہ جائے اور بے خوفی اور لاپرواہی جنم لے لے! ——— بلکہ دوسری آیات و احادیث کی روشنی میں ان کی ایسی تعبیر کی جانی چاہیئے جس سے سامع اور قاری میں "بین الخوفِ والرجاء" کی کیفیت قائم رہے۔ واللہ اعلم ——— بہرحال اس مسئلے کا اصل تعلق ایمان اور عمل کے باہمی لزوم یا عدم لزوم اور ایمان میں کمی بیشی کے امکان یا عدم امکان کے ضمن میں اس اختلاف سے ہے جو ہمارے یہاں اسلاف سے چلا آ رہا ہے اور جس کے ضمن میں تا حال راقم کی رائے یہ ہے کہ اس دنیا کی حد تک اور قانونی و فقہی سطح پر یہ صحیح بات یہی ہے کہ ایمان جدا ہے اور عمل جدا، اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی لیکن حقیقت کے اعتبار سے صحیح بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ایمانِ حقیقی یعنی یقین قلبی گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی بلکہ ایمان اور عمل صالح لازم و

ملزوم ہیں اور یہ لزوم دو طرفہ ہے یعنی ایمان بڑھے گا تو عمل صالح میں بھی لازماً اضافہ ہوگا اور معاصی میں لامحالہ کمی آئے گی اور ایمان گھٹے گا تو عمل صالح میں کمی واقع ہوگی اور معاصی میں اضافہ ہوگا اور اسی طرح عمل صالح بڑھے گا تو اس سے ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور عمل صالح میں کمی آئے گی، اور معاصی بڑھیں گے تو اس سے ایمان بھی متاثر ہوگا اور اس میں لازماً کمی آئے گی ——— اور ——— اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے ——— بہرحال اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ امکان کے درجے میں یہ احتمال موجود ہے کہ اعمال صالحہ کے مسلسل فقدان اور معاصی پر دوام و اصرار بالخصوص اکل حرام پر جان بوجھ کر استمرار و مداومت کے نتیجے میں ایمان کی پونجی بالکل ختم ہو جائے اور احادیث نبویہ میں وارد شدہ الفاظ " لیس وراء ذالک من الایمان حبّۃ خردل " ——— یا " آیۃ المنافق ثلاثٌ وان صام وصلّٰی وزعم انہ مسلمٌ ..... " کا مصداق وجود میں آجائے !! ——— اور ظاہر ہے کہ اگر اسی حالت میں موت واقع ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اس کا سا نہیں ہوگا جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ گناہوں کا بہت سا انبار اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ ھٰذا ما عندی حتی الوقت والعلم عند اللہ وارجوان ینبّھنی اللہُ والذین اوتوا العلم ان کنت خاطیاً ——— !! ——— بہرحال جو شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس کا معاملہ اس سے بالکل جدا ہے اور اس کے ضمن میں میرا موقف وہی ہے جو جملہ اہلِ سنّت کا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ اسی پر میری موت واقع ہوگی! "

ڈاکٹر صاحب نے یہاں قریب قریب بات واضح کر دی اور اس ضمن میں اسلاف سے جو کچھ منقول ہے اسکا خلاصہ اور ان کی اختلافی آراء مختصراً ذکر کر دی ہیں۔ ہم اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور قرآنِ عزیز کے حقیقی منشاء کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے بخاری شریف جیسی اہم کتاب کی تدریس کے وقت جو کچھ 'فرمایا' وہ افادات مولانا عبدالرحمٰن قاضی کے پاس محفوظ تھے، انہوں نے بڑے سلیقہ اور حسن ترتیب سے انہیں مرتب کیا " فضل الباری " کے نام سے اس کتاب کی دو ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

طلبہ اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ بخاری شریف عام حضرات کے نزدیک "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کہلاتی ہے گو کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حیثیت "موطا امام مالک" کو دیتے ہیں ہمارے مدارس میں دورۂ حدیث کے عنوان سے جو تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو درس کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، انمیں کلامی مسائل ذکر کرنے کے بعد "کتاب الایمان" کا بیان ہے اور اس موقعہ پر ایمان سے متعلقہ مسائل کا بڑی تفصیل سے بیان ہے۔ اس باب کی ابتدا ہوتی ہے۔

قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بُنی الاسلام علیٰ خمسٍ وَھُوَ قَوْلٌ وَّ فِعْلٌ وَیَزِیْدُ وَیَنْقُصُ الخ

یعنی یہ باب نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد کی تفصیل میں ہے جس میں آپ نے فرمایا "اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی" اور یاد رہے کہ ایمان نام ہے قول اور فعل کا اور یہ کہ یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ الخ

یہاں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ان مسائل پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس میں سے چند باتیں جو اس گفتگو سے متعلق ہیں، یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے اہل اسلام، اہل کفر۔ پھر اہلِ اسلام کے مختلف فرقے ہیں بقول مولانا

دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے فِرَقِ اسلامیہ ان کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کریں۔ واقع میں خواہ وہ اسلام کے صحیح راستے پر ہوں یا گمراہ ہوں مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، مرجیۂ، کرامیہ، جھمیہ وغیرہ

(فضل الباری ص ۲۳۵ ج ۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳)

اہلِ سنت والجماعت ان کو کہا جاتا ہے جو سنت نبوی اور جماعت صحابہ کے پیرو ہوں، گویا یہ ترجمہ ہے ہو بہو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کا جو آپ نے فرقہ ناجیہ کے متعلق فرمایا "ما انا علیہ واصحابی"۔

اہلِ سنت میں چار گروہ ہیں، بلا شبہ وہ چاروں صحیح اسلام پر ہیں اور ناجی، سب کا مقصود و مدعا ایک ہے، بس طریق استدلال میں کسی پر کوئی طریقہ غالب ہے تو کسی پر کوئی۔

ان میں سے محدثین وہ طبقہ ہے جو امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد و متبع ہے عقائد میں، اور عقائد میں جو کچھ منقول ہے حضرت الامام سے، اسکی نشر و تشریح کرتے ہیں۔

پھر متکلمین ہیں اور یہ دو جماعتوں میں تقسیم ہیں اشاعرہ، ماتریدیہ۔ اول الذکر بالعموم عقائد میں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کی نشر و تشریح کرتے ہیں تو ثانی الذکر امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ

کے اس ضمن کے اقوال کو پھیلانے اور ان کی ترجمانی کرتے ہیں، چوتھا گروہ صوفیا کا ہے۔ بقول مولانا عثمانی

محدثین پر چونکہ نقل و سمع غالب ہے وہ مسائل کو اولاً سمعیات سے ثابت کرتے ہیں متکلمین خواہ اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ سمعیات و عقلیات دونوں پر مسائل کا مدار رکھتے ہیں اور دونوں سے استدلال کرتے ہیں، مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے کوئی نئی بات ثابت کرتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ عقیدوں کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا اور شبہات عقلیہ کا جواب دینا ان کا اہم مقصود ہے اور عقل و نقل میں توافق کر کے دونوں سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔

فضل الباری ج ۱ ص ۲۳۶

اس سے متصل ہی مولانا لکھتے ہیں،

ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (اعمال اسکا جزو ہیں یا نہیں؟ یہ گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں وغیرہ) اس میں فرق اسلامیہ بلکہ اہلسنت بھی آپس میں اختلاف کرتے ہیں، اس لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے۔ الخ

معلوم ہوا کہ بنیادی حقائق کی حد تک تو معاملات و مسائل بالکل واضح ہیں لیکن تفصیل و تشریح اور حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے ایمان جیسی بنیادی حقیقت میں بھی اختلاف ہے نہ صرف فرق اسلامیہ میں، بلکہ خود اہلسنت والجماعت میں بھی، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو محدثین اور اہل عقل و قیاس سبھی میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، کسی کو کافر کہنے میں حد درجہ محتاط ہیں اور ان سے منسوب یہ بات بڑی مشہور ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ "کسی کی بات میں ۹۹ وجوہات کفر ہوں اور محض ایک ہی وجہ اسلام کی ہو تو بھی اسے کافر کہنے سے گریز کرو" وجہ یہ ہے کہ کفر و اسلام کا معاملہ بڑا نازک اور دقیق ہے اور اسمیں جلد بازی حد درجہ فساد ہی نہیں خود اپنے ایمان کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) جیسا کہ احادیث نبوی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

ایمان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے "صاحب لغات القرآن" نے خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے لکھا کہ

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں یعنی خبر دینے والے کے حکم کا یقین کرنا۔ اس طرح کہ حکم قبول کیا جائے اور بتانے والے کو سچا قرار دیا جائے۔ یہ مصدر ہے بر وزن "اِفْعَال" "اَمْنٌ" سے ماخوذ ہے، گویا ایمان لانے کا مطلب ہے کہ جس پر ایمان لایا جائے اسکو تکذیب و مخالفت سے امن دیدیا جائے۔ اسکا تعدیہ کبھی بذریعہ لام ہوتا ہے اور

کبھی بذریعہ با۔ اول صورت میں اذعان (یقین محکم) کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں اعتراف (تسلیم وانقیاد) کے، جس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ بغیر اعتراف کے تصدیق کا اعتبار نہیں، کبھی باعتبار حقیقت عرفیہ یا بطور مجاز وثوق کے معنی میں بھی ایمان کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس حیثیت سے کہ وثوق کرنے والا امن میں ہوگیا اور شرعاً ایمان کے معنی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ان تمام تعلیمات کی تصدیق کرنا جن کے متعلق بالضرورت معلوم ہے کہ یہ آپ کی تعلیم ہے۔ جس چیز کا تفصیلی علم ہے اس کی تفصیلی طور پر اور جسکا اجمالی علم ہے اسکی اجمالی طور پر تصدیق کرنا جمہور محققین کا یہی مذہب ہے۔ (لغات القرآن ج ۱ ص ۱۹-۳۱۸ مطبوعہ لاہور)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے جمہور محققین کے حوالہ سے یہی بات لکھی ہے۔

هو التصديق بما عُلِمَ مجيئُ الرسولِ به ضرورةً اجمالاً فيما عُلِمَ اجمالاً و تفصيلاً فيما عُلِمَ تفصيلاً (فضل الباری ج ۱ ص ۲۴۰)

مولانا نے واضح کیا کہ

اسمیں اختلاف ہے کہ یہ انقیاد قلبی واستسلام باطنی یا التزام طاعت ایمان کے لیے شرط ہے یا شطر (جزو) بعض کہتے ہیں کہ تصدیق ایک جزو ہے، اسی طرح یہ انقیاد والتزام بھی ایک مستقل جزو ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرط ہے، بہرحال جو بھی کہا جائے اتنی بات ضرور خیال میں رکھنی چاہیئے کہ نفس انقیاد والتزام پر تو تحقق ایمان کے لیے ضروری ہے اور ہمیشہ اسی انقیاد والتزام کے مطابق عمل کرتے رہنا یہ دوسری چیز ہے، نفس ایمان کے تحقق کے لیے اس کی ویسی ضرورت نہیں ہے کہ مقتضیٰ کے خلاف اگر کوئی عمل سرزد ہو یا کسی معصیت کا ارتکاب کر لیا تو ایمان کا سلب ہو جانا لازم آ جائے۔ ہاں سزا کا مستحق ضرور ہوگا۔ ان دونوں میں فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ باغی اور مجرم میں فرق ہے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۲۴۴)

حضرت مولانا المرحوم نے اس عبارت میں اہل سنت والجماعت کا موقف بڑی خوبصورتی سے نقل فرما دیا ہے جس کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا تاہم یہ سمجھ لیں کہ اسلام کی طرف منسوب جہمیہ فرقہ تو محض "معرفت قلبی" کو ایمان کہتا تھا خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا اضطراری، جسکا معنی یہ ہوگا کہ فرعون بھی مومن ہے کہ اس نے حالت اضطرار میں "آمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہہ لیا جیسا کہ سورہ یونس آیت ۹۰ میں ہے جسکا ترجمہ ہے

فرعون بولا، میں نے یقین کرلیا کہ کوئی اور معبود نہیں مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں ہوں فرمانبرداروں میں ۔

لیکن یہ عقیدہ اور مذہب بالکل باطل ہے اور اس پر قرآن وسُنت سے لاتعداد دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے برعکس کرامیہ کا کہنا تھا کہ ایمان محض "اقرار باللسان" کا نام ہے، جسکا معنی یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کے دور کے اعتقادی منافق جو "نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" (المنافقون آیت ۱) کہتے تھے وہ مسلمان تھے حالانکہ اللہ رب العزت نے ان کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ قرآن عزیز میں جگہ جگہ موجود ہے اسی المنافقون میں ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (آیت ۱)

مرجیہ تھے تو ان کا کہنا تھا کہ تصدیق اختیاری اور اقرار باللسان کافی ہے ساری عمر کے معاصی وسیئات ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچاتے اور یہ کہ جو مومن ساری عمر معاصی میں غرق رہے اس پر دوزخ بالکلیہ حرام ہے لیکن ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کی تعلیم اسکا بھی ساتھ نہیں دیتی اب آئے معتزلہ اور خوارج تو انہوں نے اعمال کو جزو ایمان کہہ دیا جسکا معنی ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کبھی "اتفاقاً" بھی کسی سے کوئی فرض رہ جائے یا کوئی کسی حرام کا ارتکاب کرے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ۔ اور ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ "مخلد فی النار" ہے۔ ان تمام کے برعکس صراط مستقیم پر ٹھیک ٹھیک چلنے والے اہل سنّت والجماعت ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بات ذکر کی وہ بالکل صحیح ہے کہ

جب تک تصدیق واقرار موجود ہے، بشرطیکہ کوئی ایسا عمل نہ ہو جو تصدیق کے فوت پر دلالت کرے جیسے بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کو گندگی میں پھینکنا، نبی علیہ السلام کو گالیاں بکنا، وغیرہ ان جیسے اعمال سے اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل سے کافر ہو جاتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وجداناً وعرفاً اس قسم کے اعمال تصدیق نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو ان اعمال کے ارتکاب کی صُورت میں تصدیق کے فقدان کے سبب کافر ہوگا...... گویا جس طرح بداھۃً ہر عصیان عظمت کے ختم ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح ہر معصیت وگناہ کبیرہ بھی تصدیق کے فوت پر دلالت نہیں کرتا...... اہل سنت یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی معصیت بالکل ہی مضر نہیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر معصیت معاف نہ ہوئی تو سزائے جہنم کا مستحق ہے مگر ابدی سزا نہیں ہوگی جرم کے مطابق ایک مدت تک سزا بھگت کر آخر جنت میں ضرور جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ معصیت کی وجہ سے دخول جہنم تو ہوگا مگر خلود (دوام) نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مسلک اہل سنت

نہ معتزلہ و خوارج سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی مرجئہ سے اسکا کوئی تعلق ہے "هدانا الله الصراط المستقیم" اللهم اهدنا الصراط المستقیم

(فضل الباری ج ۱ ص ۲۴۷)

پھر ایک بحث ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی ہے۔ ظاہر قرآن و حدیث، جمہور اشاعرہ اور ائمہ ثلاثہ وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے کہ اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک جو امام ابوالحسن اشعری قدس سرہ نے "مقالات اسلامیہ" میں نقل کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ

ایمان ذی اجزا نہیں، نہ یہ بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے اور ایمان تمام لوگوں کا برابر ہے

اور حضرت الامام کی ایک دوسری روایت وہ ہے جو غسان رح کے حوالہ سے نقل ہوئی جسے شرح احیاء وغیرہ میں بھی نقل کیا گیا اس کے مطابق ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں۔

اسی قسم کی روایت مالکیہ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی اور حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی شخصیت ہیں جو محدثین، فقہاء، مجاہدین، زہاد اور عارفین سب کے نزدیک مسلّم ہیں وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اہم شاگرد ہیں ان سے بھی یہی منقول ہے کہ "ایمان بڑھتا تو ہے، گھٹتا نہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رح کا صحیح مسلک یہی ہے اور جب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو اس میں ایسی آیات تو ہیں جنمیں زیادت کا ثبوت ہے لیکن نقصان کا ایک آیت میں ذکر نہیں۔ مثلاً

لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح: ۴) زِدْنٰهُمْ هُدًى (الکہف: ۱۳) وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم - ۷۶) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (العصر: ۱۷) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا (المدثر: ۳۱) وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب: ۲۲)

یہی حال احادیث مبارکہ کا ہے ان میں بھی زیادت کا ثبوت ہے نقصان کا نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے وسیع النظر شخص کا یہی اقرار ہے۔ ہاں پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث ایسی ہے جس میں انسانیت نہیں محض اس کی ایک صنف "عورت" کے ناقصات عقل و دین ہونے کا ذکر ہے اور بس۔ لیکن اس حدیث میں لفظ "دین" ہے کہ "عورتیں ناقصات عقل و دین ہیں"۔ اسمیں "ایمان" کا لفظ نہیں جس میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اس گفتگو کے بعد "عقیدۃ الطحاویہ" کی اس عبارت کا مفہوم سامنے رکھ لیں جو مشہور حنفی محدث امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قریب العہد ہیں حضرت الامام کے شاگرد رشید امام محمد قدس سرہ کے بیک واسطہ شاگرد ہیں اور ان کے یہاں صحت کا بڑا اہتمام ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت الامام نے فرمایا۔

ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان اور ان تمام احکام کو جو نبی علیہ السلام سے صحیح طور پر ثابت ہیں، شریعت اور بیان وغیرہ سے انہیں حق ماننے کو کہتے ہیں۔ اور ایمان واحد ہے اور ایمان دار (ایمان میں) برابر ہیں مگر ایمان داروں میں فرق باعتبار خشیۃ و تقویٰ اور خواہشات کی مخالفت اہم باتوں کو التزاماً اختیار کرنے سے ہے۔

اس گفتگو کے بعد متعلقہ آیت سے متعلق قدیم و جدید مفسرین اور اہل علم میں سے چند ایک کی آراء نقل کی جارہی ہیں اور مقصد یہ ہے کہ ہمارے قارئین کھلے دل و دماغ سے سوچنے سمجھنے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں اور فہم قرآنی کے دروازے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر کھول دے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔ ان کا ترجمہ بہت شہرت یافتہ ہے ابتدائی چند سورتوں کے حواشی بھی انہی کے قلم سے ہیں۔ بعد میں جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو باقی حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی نے پورے کئے شیخ الہند کے حواشی میں ایجاز واختصار اور جامعیت کا رنگ ہے وہ اپنے حواشی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

> گناہ کسی کا احاطہ کرلیں، اُس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو گئی کہ دل میں ایمان وتصدیق باقی ہو گی تو بھی احاطہ مذکور متحقق نہ ہو گا تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے (ص ۱۹ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ)

ان مختصر حواشی میں جتنی خوبصورتی سے مسلک اہلسنت والجماعت کی ترجمانی کی گئی ان کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فہم قرآنی سے وافر حصہ بخشا۔ موصوف کے حلقہ کے ایک بہت اہم عالم مولانا احمد سعید دہلوی (المشہور بہ سحبان الہند) فرماتے ہیں۔

> اور یہ گھیرا ایسا پڑا کہ دل میں ایمان اور تصدیق بھی باقی نہ رہی۔ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا احاطہ کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں جو کبیرہ کے مرتکب پر بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ آیت میں صرف گناہ کمانا نہیں ہے بلکہ گناہ کمانے کے ساتھ اُس کے گناہ تمام اطراف وجوانب سے اس کا احاطہ بھی کرلیں اور احاطہ کی جو تقریر ہم نے کی اس کے بعد صرف کافر ہی رہ جاتے ہیں جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر "سیئۃ" سے شرک یا کفر مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور حسن اور حضرت ابو ہریرہ۔ اور عطاء وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے تو پھر مطلب صاف ہے کہ جس شخص نے شرک یا کفر کا

ارتکاب کیا اور شرک و کفر نے اس کو اور اس کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا تو بس ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

(تفسیر کشف الرحمٰن ص ۱۹ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عالمانہ تفسیر "معارف القرآن ج ا ص ۱۶۶" میں بھی یہی لکھا کہ "احاطت" کی جو تفسیر صحیح ہے وہ کافر ہی پر صادق آتی ہے کہ کافر دولت ایمان سے تہیدست ہونیکی وجہ سے فقیر اور گدائے بے نوا ہے" اور انہوں نے ہی حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا

گناہ گھیر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ یہ حال کافر کا ہی ہو سکتا ہے۔ مومن کا نہیں ہو سکتا (معارف القرآن ج ا ص ۱۶۷ مطبوعہ لاہور)

دور حاضر کے ایک مفسر و مترجم قرآن مولانا امین احسن اصلاحی ہیں، بعض معاملات میں ان کے تفردات کا معاملہ الگ ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی ان کی تفسیر "تدبر قرآن" نہایت درجہ قابل قدر و لائق اعتنا ہے وہ سلسلہ وار گفتگو کرتے ہیں، سورۂ بقرہ کی آیت ۶۱ اور اس آیت کا انہوں نے سلسلہ باہم جوڑتے ہوئے نہایت درجہ پتہ کی بات کہی، وہ لکھتے ہیں۔

یہ یہود کے اس واہمہ کی تردید ہے جس کا ذکر اوپر گذرا یعنی جنت اور دوزخ کا تعلق خاندانی اور گروہی نسبتوں سے نہیں بلکہ تمام تر عمل سے ہے، جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے اور وہ برائی اس کو اپنے گھیرے میں لے لے تو اس کے لیے خلود فی النار ہے خواہ اسکا تعلق کسی گروہ سے ہو، برعکس اس کے جو شخص ایمان اور عمل صالح کی روش پر قائم رہے، اسکے لیے خلود فی الجنۃ ہے خواہ اس کا تعلق کسی خاندان سے ہو جس طرح اس سورہ کے پہلے سلسلہ بیان کے خاتمہ پر إن الذین آمنوا والذین ھادوا (آیت ۶۱) والی آیت وارد ہوئی تھی اس طرح اس دوسرے سلسلہ بیان کے خاتمہ پر بلیٰ من کسب سیئۃ والی آیت وارد ہوئی ہے۔ ان دونوں آیتوں کا موقع اور مقصد بالکل ایک سا ہے اس وجہ سے ان دونوں کو ایک دوسرے کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے

(تدبر قرآن ج ا ص ۲۱۲ مطبوعہ انجمن خدام القرآن لاہور اگست ۱۹۷۶ء)

گویا یہود جن کے غلط دعاوی کی تردید میں سورۂ بقرہ میں خاصی تفصیلی گفتگو ہے۔ یہ آیت بھی اسی ضمن میں ہے اور اس سے متصل پہلے جو آیت ہے اس کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی بات کا وزن بہر طور محسوس

ہوتا ہے، متصل پہلے والی آیت میں یہود کے اس دعوی کا ذکر ہے کہ جہنم سے ہمارا کیا واسطہ؟ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ "ایاما معدودة" تک محدود ہوگا اس کی اللہ رب العزت نے جہاں سختی سے تردید کی اور ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دستاویز ہے جو اللہ نے لکھ کر دی کہ اب اللہ تعالی اس کے خلاف نہیں کریں گے یا محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہو؟

یہ فرماکر واضح کیا کہ یاد رکھو جزا وسزا کا قانون یہ ہے کہ کوئی بھی ہو جو گناہ کا شکار ہوکر اس میں غرق ہو جاتا ہے وہ جہنمی ہے اور جو ایمان واعمال صالحہ سے حصہ لیکر آتا ہے اسے جنت ورضوان سے سرفراز فرمایا جائیگا۔

اردو کی ایک مشہور تفسیر مواہب الرحمن ہے جس میں قدیم سرمایہ تفسیر کو بڑی خوبی سے جمع کیا گیا۔ صاحب تفسیر نے فیصلہ کن گفتگو کرتے ہوئے اکابر صحابہ وتابعین مثلاً حضرت ابن عباس، حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، مجاہد، ربیع بن انس، ابوالعالیہ رضی اللہ تعالی عنہم سے یہی نقل کیا کہ اس سے مراد کفر وشرک ہے (دیکھیں مواہب الرحمن ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۳۹۷ھ) اور ایسی ہی گفتگو حقانی سے مترشح ہوتی ہے (ص ۲۲۰ مطبوعہ کراچی)

اردو تفاسیر میں "ترجمان القرآن بلطائف البیان" نامی ایک بڑے سائز کی نامکمل تفسیر نظر سے گذری مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۰۶ھ میں چھپی اس میں بعض مقامات پر بڑی گہری گفتگو کی گئی ہے۔ فاضل مفسر نے لکھا۔

> اس کہنے سے کہ گھیر لیا گناہ نے، یہ معلوم ہوا کہ نرا گناہ ہو جانا موجب خلود نار کا نہیں ہوتا ہے بلکہ جب گناہ ہر طرف سے آکر گھیر لیتا ہے کوئی نیکی بھی باقی نہیں رہتی ہر جانب سے رستے نجات کے بند ہو جاتے ہیں تب کہیں خلود نار ہوتا ہے۔ یہ قول کہ مراد خطا سے اس جگہ شرک ہے اولی ہے اسلیے کہ حدیث سے بتواتر ثابت ہو چکا ہے کہ عصاۃ موحدین نار سے باہر نکالے جاویں گے، علاوہ اس کے گو اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوصی سبب کا، مگر نزول اس آیت کا حق میں یہود کے ہوا ہے اس سے بھی تائید شرک کی نکلتی ہے، اسی پر مفسرین کا اجماع ہے، اس سے قول معتزلہ کا باطل ہوا کہ خلود نار خاصہ مشرکین وکفار کا ہے۔ اس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ مراد سیئہ وخطیئہ سے اس جگہ وہی کفر وشرک ہے نہ فعل کبائر (ص ۴۲)

ہماری درسی تفاسیر میں بیضاوی قدیم مدارس کے ساتھ جدید مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے اسمیں احاطت کی اس تفصیل کو جسکا ذکر ہوا نقل کرکے لکھا

وَهٰذَا التَّمَانُعُ فِي شَأْنِ الْكَافِرِ کہ یہ بات کافر کے حق میں صحیح فٹ بیٹھتی ہے
آگے کہتے ہیں لِذٰلِكَ فَسَّرَهَا السَّلَفُ بِالْكُفْرِ اس وجہ سے اسلاف نے خطیئہ سے کفر مراد لیا
(ص مطبوعہ مجیدی کانپور)

ایسے ہی اردو تفاسیر میں بیان القرآن بہت مشہور ہے اسکا حاشیہ السلوکی بڑی قابل قدر علمی چیز ہے اس میں بھی سیئۃ سے مراد شرک لیا گیا ہے اور احاطت بہ خطیئتہ سے متعلق کہا گیا ہے کہ گناہوں نے اس طرح گھیر لیا کہ بِلَا مَاتَ مُشْرِكًا کہ وہ شخص مشرک ہو کر مرا۔ (ج ۱ ص ۲۰ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت)
عرب دنیا کی جدید تفاسیر میں صفوۃ التفاسیر صابونی کو بڑی اہمیت حاصل ہے انہوں نے یہود کے حوالہ سے ہی گفتگو کی۔ احاطت بہ خطیئتہ پر لکھا

اے غَمَرَتْهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ وَسُدَّتْ عَلَيْهِ مَسَالِكُ النَّجَاةِ۔
(ص۸۵ جزو اول مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت ۱۹۸۱ء)

اسکو ہر طرف سے گناہوں نے اس طرح گھیر لیا کہ نجات کے جملہ راستے اس پر بند ہو گئے۔
اسی طرح اس دور کی عربی تفاسیر میں التفسیر الواضح کو منفرد مقام حاصل ہے۔ اسمیں ہے۔

المراد بالاحاطة انه لم يبق فيه جانب من قلب او لسان او جارحة الا اشتملت عليه في تحصيلها

یعنی دل، زبان اور جوارح میں سے کوئی جگہ بھی باقی نہ رہے اور اس جرم و گناہ کی تحصیل سب کو شامل ہو تو ایسے لوگ

اولئك البعيدون في الضلال، اصحاب النار الملازمون لها، هم فيها خالدون ۔ یہ لوگ ضلالت و گمراہی میں بہت دور جا گرنے والے ہیں، دوزخی، ایسے کہ اس سے لازم و ملزوم ہو گئے، اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ اور پھر یہود کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

ومنهم انتم بل انتم اولى من غيركم بالعذاب
کہ دوسروں کے مقابلے میں تم زیادہ اس عذاب کے مستحق ہو کہ تم اہل کتاب تھے اور ضد کا شکار ہو گئے (ص جزو اول ۱۳۹۹ھ القاہرہ)

صاحب کشاف نے الخطیئۃ کی تعریف حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ لکھی کہ کہ قرآن عزیز میں دیکھو ہر وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز سے روکا اور اس کی خبر دی۔

کہ اگر ایسا کروگے تو تم جہنم میں جاؤ گے وہ خطیئہ ہے (ص ۲۹۶ ج ۱ بیروت)
معلوم ہوا کہ اگر اس سے ترہیب و تخویف کا پہلو مراد لیا جائے تو بھی درست ہے۔ یہی مقصد ہے صاحب کشاف کا۔

قرطبیؒ الجامع لاحکام القرآن میں کہتے ہیں۔

سیئہ سے مراد شرک ہے، ابن جریج نے عطاء سے ایسے ہی نقل کیا اور استدلال میں آیت پڑھی۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ (النمل : ۹۰) جو شرک لیکر آئے گا اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا اور حسن و قتادہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(ص ۱۲ ج ۲ احیاء التراث العربی۔ بیروت ۱۹۵۲ء)

محدثانہ انداز سے لکھی گئی مشہور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اے یہود) ایسا نہیں جیسی تمہاری خواہش ہے اور تم چاہتے ہو بلکہ معاملہ ایسا ہے الخ (گویا یہود کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا)

قال ابن عباسؓ السیئۃ، الشرک۔ ابن ابی حاتم، وائل، ابی العالیۃ، مجاہد عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کا یہی موقف ہے سُدی رحمہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ مراد لیتے ہیں (اس شکل میں تخویف مراد ہوگی)

حضرت ابوہریرۃ، ابووائل، عطا اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم احاطت بہ خطیئتہ سے مراد لیتے ہیں احاط بہ شرکہٗ (اس کے شرک نے اسے گھیر لیا) بعض حضرات کا موقف ہے کہ کبائر کا ارتکاب کیا اور توبہ کے بغیر مرگیا (گویا تخویفی معنی مراد ہے) جبکہ بعض حضرات ایسے کبائر مراد لیتے ہیں جو جہنم کا باعث ہیں۔ بقول ابن کثیرؒ سب اقوال "متقارب المعنی" ہیں مقصود سب سے ایک ہے (واللہ علم) (ص ۱۱۹ ج ۱ عربی ایڈیشن مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ)

ایک نہایت درجہ اچھی فارسی تفسیر "کشف الاسرار" میں ہے

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً	ہر کہ بدی کند یعنی شرک آرد
واحاطت به خطيئته	اے احاط عملہ بہ فمات علی کفرہ۔ ودران شرک وکفر خویش بمیرد

فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون

ایشاں در دوزخ شوند و جاوید دراں بمانند۔ ایں ہمانست کہ جائے دیگر گفت "وَمَن
جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ" کشف الاسرار و عدۃ الابرار
معروف بہ تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری جلد اول ص ۲۴۷

تالیف ابوالفضل رشید الدین المیبدی موسسہ انتشارات کبیر تہران ۱۳۹۱ھ

روح المعانی میں قابل قدر بحث ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یا شرک و کفر ہے یا زجر و توبیخ۔ جس پر سابقہ آیت دلالت کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الخلود سے جو حضرات طویل زمانہ مراد لیتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے بالمقابل اہل الجنۃ کے لیے خلود کا لفظ ہے تو اس سے مراد کیا ہوگا؟ کیا اہل جنت ایک لمبا عرصہ وہاں رہ کر پھر کہیں اور جائیں گے؟ اصل ملاحظہ فرمالیں۔

بلی من کسب سیئۃ الایہ

الکسب جَلْبُ النفع۔ السیئۃ الفاحشۃ الموجبۃُ للنّار قالہ السدی وعلیہ تفسیر من فسرھا بالکبیرۃ لانھا التی توجب النار۔ ای یستحق فاعلھا النار ان لم یغفرلہ۔ وذھب کثیر من السلف الی انھا ھنا۔ الکفر۔ وتعلیق الکسب بالسیئۃ۔ علی طریقۃ التھکم (زجر و توبیخ)

والمراد بالاحاطۃ الاستیلاء والشمول وعموم الظاھر والباطن والخطیئۃ، السیئۃ والمراد بالخلود، الدوام ولاحجۃ فی الایۃ علی خلود صاحب الکبیرۃ لان الاحاطۃ انما تصح فی شان الکافر لان غیرہ ان لم یکن لہ سوی تصدیق قلبہ و اقرار لسانہ فلم تحط خطیئۃ بہ لکون قلبہ ولسانہ منزھا عن الخطیئۃ اما اذا فُسّرت السیئۃ بالکفر والخطیئۃ بہ حیثما اخرجہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وابن جریر عن ابی وائل ومجاھد وقتادۃ وعطاء والربیع

ومن الناس من نقاھا بحمل۔ الخلود۔ علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل ولیس بشئ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام

اتخذتم عند اللہ عھدا سے ثابت ہوتا ہے کہ انہ تعالی اوعد العصاۃ بالعذاب زجرا لھم عن المعاصی روح المعانی ص ۳۰۶-۳۰۵ ج ۱ مطبوعہ لاہور

بقیہ ص ۱۰ پر